معرکہ اسلام و جاہلیت

بَدَءَ الْاِسْلَامُ غَرِیْباً وَّسَیَعُوْدُ غَرِیْباً

(۶)

از جناب مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی

جنگ و جہاد اور صلح و معاہدہ کے متعلق اسلامی تعلیمات کی اخلاقی رفعت، حدود نظر سے آج بھی اسی قدر ماورا ہے جس قدر قرونِ مظلمہ میں تھی۔ آج کسی مہذب ترین سلطنت سے کہو کہ دشمن سے اس وقت بھی صلح کرنے میں پس و پیش نہ کرو جب وہ مغلوب اور تم غالب ہو، امن پسندی اور انسانیت کا تقاضا ہے کہ حریف کو تم خود اس وقت صلح و آشتی کی دعوت دو جب اس کے بازو تھک کر چور ہو چکے ہوں، اس کی جنگی تدبیریں نامراد اور حوصلے پست ہو رہے ہوں، اور فتح و کامرانی ہر طرف سے تمھیں کو ڈھونڈھ رہی ہو، پھر جب تم اس سے صلح کر لو اور تمھارے درمیان معاہدہ ہو جائے تو خبردار مدتِ معاہدہ ختم ہونے سے پہلے اس کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی نہ کرو، حتی کہ اگر تمھارے عزیزوں، قرابت داروں، اور دینی بھائیوں کے خلاف بھی وہ دشمنِ معاہد صف آرا ہو اور معاہدہ ان لوگوں کی حمایت اور مدافعت کرنے کی اجازت نہ دیتا ہو تو تم معاہدہ کی حرمت پر سب کچھ قربان کر دو کہ دنیا کی ساری متاع کھو کر انسان کچھ نہیں کھوتا مگر اخلاق اور انسانیت کھو کر سب کچھ کھو دیتا ہے۔ یہ باتیں سن کر آج اس سطح ارض پر بسنے والی کوئی "متمدن" قوم تمھیں سلیم العقل اور باہوش انسان تسلیم کرنے

کے لئے تیار نہ ہوگی۔ اس کی سمجھ میں نہ آئے گا کہ شکست کھانے والا فریق صلح و مسالمۃ کی پیش کش کرے تو کرے لیکن فاتح اور غالب سے یہ توقع کس طرح کی جاسکتی ہے؟ اونچے سر کا جھکنا کس قدر عجیب بات ہے!

آج تم ہر دنیوی مقصد کے لئے تلوار اٹھا سکتے ہو اور انسانی خون بہا سکتے ہو۔ تمہارے لئے جائز ہے کہ چین کو افیون کھلانے کے لئے فوجیں لے کر چڑھ جاؤ۔ تم اپنی سلطنت کے راستوں کی حفاظت کرنے کے لئے جبرالٹر سے ہانگ کانگ تک ہر ملک اور ہر قوم کو غلامی کی زنجیریں پہنانے میں حق بجانب ہو، اور اس غرض کے لئے فلسطین کی سرزمین کو لالہ زار بھی بنا سکتے ہو۔ تمہیں اس کا بھی حق ہے کہ خام پیداوار حاصل کرنے اور اپنی تجارت کے لئے نئی منڈیاں تلاش کرنے کے لئے جس ملک پر چاہو حملہ کر دو۔ تم وطن اور قوم اور بادشاہ کے نام پر بھی لڑنے کے حقدار ہو۔ لیکن اگر تم نے خدا کے نام پر تلوار اٹھائی اور زمین میں خدا کا کلمہ بلند کرنے کے لئے جنگ کی تو تم سے بڑھ کر وحشی، مذہبی دیوانہ، خونخوار درندہ اور کوئی نہیں۔

یہ ہے جاہلیت جدیدہ کا فلسفۂ جنگ!۔

آج تم (نعوذ باللہ) خدا کی الوہیت و حاکمیت کا انکار کر دو، جاہلیت تم پر مرحبا و آفریں کے پھول برسائے گی۔ نبوت، وحی اور شریعت کا استخفاف کرو، تہذیب تمہیں مدبر، مفکر، فلسفی اور حکیم کا خطاب دے گی۔ دامن عفت و انسانیت کے پرزے اڑا دو زمانہ تمہیں روشن خیالی کا دیوتا کہہ کر پکارے گا۔ لیکن اگر تم نے وطنیت اور قومیت کے بتوں کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تو پھر تم اپنی بخشش کیلئے کوئی راہ نہیں پاسکتے۔ کفار قریش نے نبی صلعم سے متعجبانہ گلہ کیا تھا کہ اپنی قوم کا خون بہا کر تم کیونکر سرخرو ہو سکتے ہو۔ عبداللہ ابن اُبی حیرت سے بے خود اور وفور غیظ سے بے تاب تھا کہ مکے سے آئے ہوئے غیر ملکی ہماری یثربی قومیت اور وطنیت کی بے حرمتی کر کے کس طرح بھائی کو بھائی سے لڑا رہے ہیں۔ لیکن آج جبکہ علم و حقیقت کی کرنیں دور جاہلیت کی تمام جہالتیں آشکار کر چکی ہیں اور تہذیب زمانہ ہر اس چیز کو جس پر قدامت کا "داغ" لگا ہوا ہے مردود قرار دے کر ان جہالتوں

پر مغرورانہ ہنس رہی ہے، آپ کو معلوم ہے کہ داعی اسلام کا سب سے بڑا قصور اور (نعوذ باللہ) وحشیانہ فعل کیا ہے؟ اس کا جواب فرانس کے مشہور ادیب سیاست داں والیٹر کی زبانی سنیے۔ نہایت متعجب ہو کر کہتا ہے۔

"سیل وغیرہ کو آخر عرب کے اس شتربان (روحی فداہ) میں عظمت کا کونسا پہلو نظر آیا؟ قوم نے اسے سردار منتخب کیا ہوتا یا اپنے ملک اور وطن کی حمایت میں اس نے اغیار سے جنگ کی ہوتی تو خیر ایک بات بھی تھی لیکن جو شخص خدا کے نام کو آڑ بنا کر خود اپنے ملک والوں سے جنگ کرے، اسے کوئی اچھا کس طرح کہے"!

"نئی روشنی" اور پرانی "جہالت" کا موازنہ کر کے نتیجہ نکال لیجئے۔

زمانہ کے موجودہ نظام معاشرت کو دیکھتے ہوئے ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ وہ اسلام کے معاشرتی نظریات اور تصورات سے کس قدر متوحش اور بیگانہ ہوگا۔ سوسائٹی کا اسلامی نظام عفت عصمت، حیا، پاکیزگی اور اخلاق کی بنیادوں پر رکھا گیا ہے۔ مرد و عورت کے فرائض ان کی فطری خصوصیات کے مطابق الگ الگ متعین کئے گئے ہیں، کیونکہ ان میں سے ایک سراپا فعل ہے، دوسرا مجسم انفعال۔ گویا یہ دونوں صنفیں ایک گاڑی کے دو پہیے ہیں جو ایک خاص تعامل کے ذریعہ نظام انسانی کو برقرار رکھ سکتے ہیں۔ مرد کو اس گاڑی کا نگراں بنایا گیا ہے۔ انسانی ترقی کا راز انہیں دو قوتوں کے باہمی تعاون اور فرائض خصوصی کے امتیاز پر منحصر ہے۔ اسی بنیادی تخیل کے ماتحت نکاح، طلاق، پردہ، تعدد ازدواج وغیرہ کے احکام قرآن نے بنی نوع انسان کو دیے ہیں، جن کے اندر انسان کی تمام فطری مصلحتوں کا نہایت حکیمانہ انداز میں لحاظ رکھ کر انسانیت کو ہمیشہ کے لئے حیوانیت کی دست برد اور نفسانیت کی ریشہ دوانیوں سے محفوظ کر دیا گیا ہے لیکن جاہلیت جدیدہ ان حکمتوں کو سمجھنے کے لئے کب تیار ہے۔ وہ تو ان تمام قیود کو دور وحشت کی یادگار بتاتی ہے اور انصاف و مساوات کے نام پر عورت کو ترقی کے میدان"

میں لاکھڑا کرتی ہے۔ ایک طرف مرد و عورت کے خلقی فرق کو بھی تسلیم کرتی ہے، دوسری طرف انہیں ایک ہی اسٹیج پر بھی لاکھڑی ہے۔ نکاح اور پردے کی قید کو انسانیت کی توہین بتلاتی ہے، اور عورت کے تمام فطری امتیازات کو اٹھا کر، مرد کو قوّامیت سے معزول کرکے، آزادی نسواں کا وعظ کہہ کر، اباحت اور ہوس رانی کا وہ مہیب جہنم زار بنارہی ہے جس میں آج سارا عالم انسانیت جل جل کر خاکستر ہورہا ہے۔ اور جاہلیت کی سحر آفرینی ملاحظہ ہو کہ عصمت و اخلاق اس کے نزدیک محض بے معنی الفاظ ہیں۔ آج تجدد اور روشن خیالی کی دنیا میں بھائی بہن کے درمیان حرمت کے پردے نہ صرف عملاً بلکہ اعتقاداً بھی اٹھ چکے ہیں۔ آزاد محبت (Free Love) اس کے صنفی تعلقات کا اصل الاصول ہے۔ اس کا اعلان ہے کہ "بیوی سب کی بیوی اور شوہر سب کا شوہر ہے" اور "جس لڑکی پر کسی نوجوان کی نظر انتخاب پڑے وہ بلا حیل و حجت اپنے آپ کو اس کے سپرد کردے"۔ اس کا خیال ہے کہ نفس کی تسکین کا ہر ممکن ذریعہ انسان کے لئے ذریعہ سعادت ہے۔ ایک روسی مصنف اپنے ایک ناول میں لکھتا ہے:۔

"شراب خوری اور زنا کوئی قابل شرم چیزیں نہیں ہیں۔ گناہ کوئی چیز نہیں، محبت کرنا، خوب پینا اور عورت کا تعاقب کرنا خاصۂ مردانگی ہے، ایک فطری جذبہ ہے اور فطری جذبہ گناہ نہیں ہوسکتا۔"

لیکن یہ نہ سمجھو کہ جاہلیت کے کمال ارجمندی کا یہ سب سے اعلیٰ شاہکار ہے۔ نہیں، اور آگے چلو۔ اور علم و تمدن کے عین مرکز میں پہنچ کر اس صنفی انارکی اور اخلاق و انسانیت کی تباہی کا اندازہ کرو۔ اسی بیسویں صدی کی ابتدائی دہائی کا واقعہ ہے کہ جرمنی کا ایک فاضل، ڈاکٹر ہرشفلد (Herschfeld) اس نظریہ کی حمایت کے لئے اٹھا جس پر آج سے چار ہزار برس پہلے حضرت لوط کی قوم عمل پیرا تھی، اور اس نے چند سال کی مسلسل تبلیغ سے رائے عام کو اپنا ہم نوا بنالیا، یہاں تک کہ جرمن پارلیمنٹ میں کثرتِ آرا سے عملِ قومِ لوط ایک جائز قانونی فعل بن گیا۔ چار ہزار برس کی ترقی سے پرانی جاہلیت اور نئی جاہلیت میں اگر کوئی فرق ہوا

تو وہ صرف اس قدر تھا کہ حضرت لوط کی قوم عام لائسنس کی قائل تھی، مگر جرمن پارلیمنٹ نے اس کام کے لئے یہ شرط لگانی ضروری سمجھی کہ فاعل ومفعول کے درمیان عمر کا تناسب ملحوظ رکھا جائے، اور غیر فطری تعلقات قائم کرنے سے پہلے مفعول کے والدین سے اجازت لے لیجائے!

آج کل دنیا کا سب سے مشکل مسئلہ معاش کا ہے۔ اقوام متمدنہ کی اکثر علمی وفکری صلاحتیں اسی پیٹ کی چاکری میں لگی ہوئی ہیں اور قریب قریب تمام مسائل حاضرہ اسی محور کے اردگرد گھوم رہے ہیں لیکن انسانی فکر ونظر کی یہ کیسی عبرتناک کوتاہی ہے کہ وہ اپنی پیہم کوششوں کے باوجود اپنے اس تنہا مقصدِ حیات کی گتھی اب تک نہ سلجھا سکی اور آج نوبت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ جس انسان کو خدا کے نام پر اکٹھا ہونے کا حکم دیا گیا تھا وہ روٹی کے نام پر امتیں بنا رہا ہے، معاشی طبقات کے درمیان جنگ کا صور پھونک رہا ہے وَيَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ کی حکیمانہ سنتِ ربانی کو باطل کرنے پر تلا ہوا ہے، اور اس طرح اپنی معاشی ابتری اور اجتماعی بدحالی کی جڑوں کو اپنی نادانی کی وجہ سے اور زیادہ پانی دیے چلا جاتا ہے اسلام تحریم ربوٰا اور فرضیتِ زکوٰۃ کا اعلیٰ اور عادلانہ نظام پیش کر کے ان تمام مصائب اور مشکلات رزق کا بہترین حل بتا چکا ہے، جنھوں نے عقل جدید کو حیرانی میں ڈال رکھا ہے۔ مگر یہ عقل جدید! اس کو جاہلیت کی غلامی نے ایسا اندھا بنا دیا ہے کہ اسے بے روزگاری، معاشی کساد بازاری (Economic Depression) ہڑتالیں، ہنگامے، کشت وخون، انقلابی بحران، اشتراکی انقلاب، مزدوروں کی ڈکٹیٹر شپ، سوسائٹی کے نظام کی برہمی، اخلاقی انحطاط، اباحت مطلقہ اور حیوانی بے قیدی، سب کچھ قبول، مگر یہ قاعدۂ کلیہ قبول نہیں کہ سود حیاتِ اجتماعی کے لئے بدترین لعنت ہے اور زکوٰۃ ہی میں انسانی جماعت کے لئے حقیقی فلاح ہے۔ يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرْبِي الصَّدَقَاتِ کی فطری صداقت جس طرح ۱۳ سو برس پہلے عرب کے جاہل بدو کی سمجھ میں نہ آتی تھی، اسی طرح آج بیسویں صدی میں بھی وہ معاشیات کے ایک ڈاکٹر کی کھوپری میں نہیں اترتی۔ یہ بھی اسی چکر میں پھنسا ہوا ہے جس میں عرب کا جاہل سود خوار پھنسا ہوا تھا کہ إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا۔

اس کا دماغ بھی اس وسیع نظریہ کے لئے اپنے اندر کوئی سمائی نہیں رکھتا کہ سود سے انسان کی اجتماعی دولت گھٹتی ہے اور زکوٰۃ سے ترقی کرتی ہے۔

معاش کے بارے میں جاہلیتِ جدیدہ کو ایک اور نظریہ اپنے اسلاف سے ملا ہے۔ عرب کا وحشی بدو اپنی اولاد کو کمی رزق کے خوف سے قتل کر ڈالتا تھا۔ آج نئی روشنی اور تہذیب کا امام بھی یہی کر رہا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ اس جہالت کو، علم و فلسفہ کے لباس میں لپیٹ کر دنیا کی مسحور نگاہوں کے سامنے پیش کرتا ہے، اور دنیا اس کو بدو کہنے کے بجائے ڈاکٹر کہتی ہے۔ بدو اور ان پڑھ انسان نے یہی جرم کیا تو تہذیب حاضرہ کی زبان لاحول پڑھتے پڑھتے خشک ہوگئی اور اس کی یہ جاہلانہ حرکت "قتل اولاد" کہلائی لیکن جب وہی جاہلانہ تخیل خود اس نے پیش کیا تو تمدن کا ذوق ارتقا اس پر عش عش کرنے لگا اور اس بربریت کا نام "برتھ کنٹرول" رکھدیا گیا۔ یورپ تو یورپ اب ہندوستانی حریت کے ٹھیکیداروں کو بھی آبادی ہند کی روز افزوں کثرت سے فکر دامنگیر ہوگئی ہے اور وہ بھی اپنے استادوں کی پیروی میں خدا کی رزاقیت کا درد اپنے سر میں محسوس کرنے لگے ہیں۔ کس کی ہمت ہے کہ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ کی غریب صدا ان کے کانوں تک پہنچائے؟ اور آخر کس توقع پر؟

تہذیب جدیدہ کے بنیادی اصول کا یہ ایک سرسری خاکہ ہے۔ تم اگر چاہو تو اپنی نگاہ تصور میں اس اجمالی داستانِ حقیقت کو اور پھیلا لو اور بیک نظر اس نظام تہذیب کے ایک ایک خط و خال کو دیکھ لو جو سیف و قلم کی متحدہ حمایت کے زیر سایہ بسیط ارض پر چھایا ہوا ہے۔ کیا تمھیں ــــــ بشرطیکہ تمھاری نگاہ مرعوب نہ ہو ــــــ اس پورے خاکہ میں جاہلیت کے نقوش کے علاوہ کچھ اور نظر آسکتا ہے؟ لیکن ہاں غلطی ہوگی اگر جاہلیت حاضرہ کو کسی قدیم جاہلیت کے ساتھ مشابہت دی جائے، یا اس بیسویں صدی میں اسلام کو صرف اتنا ہی غریب کہا جائے جتنا وہ تاریخ عالم کے کسی پچھلے دور میں تھا۔ آج کا معرکۂ اسلام و جاہلیت صرف یہی نہیں کہ ساڑھے تیرہ سو برس کے قدیم تاریخی صفحات کو دہرا رہا ہے بلکہ اس "دشمنی

کے دور میں وہ تمام تاریکیاں جمع ہوگئی ہیں جنھیں نفس کی شیطانی قوت ابتدائے آفرینش سے اب تک پیدا کرسکی ہے۔ آج حق و باطل کے موجودہ تصادم میں باطل کے پیکر پر وہ تمام اسلحہ سجے ہوئے ہیں جنھیں انکی نئی اور پرانی تمام جاہلیتیں مل کر ایجاد کرسکی ہیں۔ فرعون کا افساد فی الارض، قوم ثمود کا علو واستکبار، اہل مدین کا تجارتی و کاروباری مکروفریب، قوم لوطؑ کا فاحشہ، قوم شعیب کا مذہبی تصورِ انفرادیت، کفار عرب کا نظریۂ حیات، غرض کونسی جاہلیت ہے جو اس دور میں موجود نہیں اور اسلام کا کونسا پہلو ہے جس کی غرابت میں شک کیا جائے۔

دوسروں کے نقطۂ نظر کا جائزہ تو لے چکے۔ آئیے ذرا اب اپنے جیب و دامن کو بھی ٹٹولیں کیونکہ یہ تلخ داستان نامکمل رہے گی اگر اس کے اس سب سے زیادہ دردناک پہلو کا ذکر نہ کیا جائے جو ہم اسلام کے نام لیواؤں کی بدولت نمایاں ہو رہا ہے۔ یقیناً یہ حقیقت نہایت ہی جانگداز ہے لیکن ہے حقیقت اور حقیقت کا وجود ہمارے آپکے انکار سے معدوم نہیں ہوسکتا۔ اغیار کی مادہ پرست اور جہل آشنا نگاہیں اگر اسلام کے روحانی حسن اور عقلی جمال کو نہیں دیکھ پاتیں تو اس کا گلہ ہی کیا کہ وہ تو ہیں ہی کور ذوق اور نامحرم ہاں ماتم اگر ہے تو اپنوں اور یگانوں کا۔ ہمیں غیر مسلموں کو یہ طعنہ دینے کا کیا حق کہ اسلام جیسا عقلی و فطری مذہب ان کی نظروں میں "غریب" دکھائی دے رہا ہے، جبکہ خود پیروان اسلام کے اقوال و افعال سے اس کی غرابت کا دن رات ثبوت بہم پہنچ رہا ہو۔ اور یہ لازمی نتیجہ ہے مسلمانوں کے اس سیاسی اختلال اور فکری جمود کا جس کی طرف ہم کہیں اوپر اشارہ کرچکے ہیں۔ دنیا کی زمام قیادت جب قرآنی تہذیب کے ہاتھوں سے نکل کر جاہلیت اور مادیت کے ہاتھوں میں چلی گئی تو فطرۃً مسلمانوں کی فعال ذہنیت اشکوہ جاہلیت سے مرعوب و متاثر ہونے لگی، اور اس مریض جسم کی طرح جو اپنی قوت کھو کر ہر بیماری کو قبول کرنے کے لئے تیار رہتا ہے، پیکر اسلامی جاہلی امراض کا آماجگاہ بن گیا۔ اس کے منفعل قویٰ جاہلی اوہام اور غیر اسلامی افکار و تصورات کے سانچے میں ڈھلنے لگے خواہ ان کا تعلق قدیم جاہلیتِ عرب و ہند سے

ہو یا جدید جاہلیت روم و فرنگ سے۔

توحید و معاد کے نظریات کا وجود کیا مشرکین عرب میں نہ تھا؟ یا دیگر اقوام ضالہ اس اعتقاد سے خالی تھیں؟ لیکن پھر بھی قرآن نے انہیں خدا اور یوم آخر کا منکر کیوں کہا؟ بات صرف اتنی ہی تو تھی کہ ان کا اقرار انکار کے ہم معنی تھا۔ وہ زمین و آسمان کا خالق اور حاکم علی الاطلاق تو خدا ہی کو مانتے تھے لیکن نگاہ میں پستی اور تنگی تھی، اس لئے اس کی قدرت، عظمت اور کبریائی کا معیار دنیوی سلاطین کے اقتدار کو ٹھیراتے تھے۔ وہ دیکھتے کہ دنیا کے عام بادشاہوں کے دربار میں تقرب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ امرائے دربار اور اعیان حکومت کی رضا جوئی ہوا کرتا ہے اور مراحم خسروی کا طالب پہلا سجدہ انہیں درباریوں کو کرتا ہے۔ اس پر قیاس کر کے ان تنگ نظر جاہلوں نے تصور الوہیت کو بھی بشریت کا نقاب اڑھا دیا اور ہر پیر اور ولی کو اس کا درباری مان کر پوجنا شروع کر دیا کہ خدا کے دربار میں یہ ہماری شفاعت کریں گے۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ان کے مشرکانہ تخیل کا سنگ بنیاد تھا۔ ظاہر ہے کہ اس تخیل کے ماتحت توحید اور قیامت کے عقائد بلحاظ نتائج بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتے ہیں۔ ایسے جاہلانہ تخیلات مختلف بھیسوں میں انسانی دماغوں پر چھائے ہوئے تھے۔ کوئی اوتار اور حلول کے وہم میں گرفتار تھا۔ کوئی (معاذ اللہ) خدا کی بیوی بچوں کی پناہ ڈھونڈھ رہا تھا۔ کوئی اس کے بیٹے کے خون سے اپنے اعمال کی سیاہی دھو کر بے فکر بیٹھا تھا۔ کوئی نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ کے خواب گراں میں مست انگڑائیاں لے رہا تھا۔ جاہلیت کی ایک روح نہ معلوم کتنے قالبوں میں چھپی ہوئی زمین کے دامن پر اپنے قدم جمائے بیٹھی تھی کہ قرآن کی صدائے غریب نے ان سب خیالات کی تکفیر و تضلیل کر کے الوہیت اور قیامت کا وہ عقلی اور ٹھیٹھ فطری نظریہ پیش کیا جس کی تفصیل قرآن کے صفحوں میں اب بھی اسی طرح محفوظ ہے جس طرح عہد رسالت میں تھی۔ مگر بتائیے تو سہی آج اہل قرآن کے ذہنوں میں بھی ان بلند حقائق کا وہی نقشہ موجود ہے جو خیر القرون میں تھا؟ پتھر کے مجسموں کا پجاری گمراہ تھا، جاہل تھا، کج فطرت اور طاغوت پرست

تھا، مگر یہ مزاروں پر پیشانیاں رگڑنے والا، یہ اہل قبور سے حاجتیں مانگنے والا اور "یا حضرت فلاں" کی جے لگانے والا مسلمان کتنا راست کیش، کتنا سلیم الفطرت اور کتنا وسیع الدماغ ہے؟ عرب کا جاہل شفاعت اور تقرب کی خاطر غیر اللہ کو پوج کر اگر بندۂ جاہلیت کہلایا تو نہیں تاویلوں کے ساتھ رسول پرست ولی پرست، امام پرست، اور پیر پرست مدعیانِ اسلام کو کس کا بندہ کہا جائے؟۔

انبیاء کے متعلق جاہلیت کا مستقل نظریہ یہ رہا ہے کہ بشر خدا کا رسول نہیں ہوسکتا۔ اور اس جاہلی نظریہ نے خدا کے ہر نبی پر دو طریقوں سے حملہ کیا ہے۔ جب کوئی نبی مبعوث ہوا تو اس پر پہلا حملہ اس شکل میں کیا گیا کہ "تم بشر ہو، اور بشر خدا کا رسول نہیں ہوسکتا، اس لئے تم رسول نہیں ہو" پھر جب نبی اپنے کارناموں کی دھاک بٹھا کر دنیا سے رخصت ہوگیا تو جاہلیت نے پینترا بدل کر دوسرا حملہ اس طرح کیا کہ "وہ چونکہ رسول تھا اور بشر خدا کا رسول نہیں ہوسکتا، لہذا وہ بشر نہ تھا" یہود نے اسی طریقہ سے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا بنایا اور نصاریٰ نے اسی ہتھیار سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر حملہ کرکے انہیں ابن اللہ بلکہ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْمَسِیْحُ کے مقام تک پہنچا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی جاہلیت کا پہلا اعتراض یہی تھا کہ بشر خدا کا رسول کیونکر ہوسکتا ہے؟ اس اعتراض کے جواب میں خداوند عالم نے بار بار باصرار فرمایا کہ رسول جب ہوگا بشر ہی ہوگا۔ لیکن آج ہمارے علم و معرفت کے میناروں سے صدا بلند ہوتی ہے کہ ہاں بشر خدا کا رسول تو ہوسکتا ہے مگر خدا کا آخری رسول بشر نہیں تھا اور آنحضرت صلعم کو جو بشر کہے وہ مسلمان نہیں۔ اس صدا پر قرآن کی روح مضطرب ہو تو ہوا کرے مگر جاہلیت کی روح اپنی دیرینہ تمنا سے ہم آغوش تو ہوگئی۔

قرآن نے جب ہمیں منکرینِ اسلام کا یہ عجیب نظریہ بتایا کہ ہدایت کا معیار صرف دنیوی وجاہت اور تمکن فی الارض ہے تو ہم متحیر تھے کہ انسان اتنا پست نظر اور نادان بھی ہوتا ہے! مگر قدرت نے اعجاز بیانات کی یہ تصویر آج واقعیت کے پردے پر دکھلا دی، چنانچہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہمارا ایک حکیم امت علی الاعلان اسی نظریہ کو پیش کر رہا ہے۔ اس کے نزدیک ملحد فرنگی اللہ کا خلیفہ اور اس کا محبوب ہے، ہدایت یافتہ اور

حق پرست ہے، محض اس وجہ سے کہ اس کے پاس مال و زر ہے، تاج و تخت ہے، دنیوی اقتدار اور مادّی قوت ہے، اور اسے تمکن فی الارض حاصل ہے لیکن مسلمان بے دین ہے، باطل پرست ہے، ہدایت نا آشنا ہے، خدا کا مغضوب اور نافرمان ہے، کیونکہ وہ مفلس ہے، قلاش ہے، غلام ہے، محکوم ہے، کمزور اور ضعیف ہے۔ کوئی شخص اگرچہ کتنا ہی پاک طینت اور متقی سہی مگر برسر ہدایت ہونے کے لئے سند میں جو چیز پیش کی جا سکتی ہے وہ طور کی روشنی اور فاران کی تجلی نہیں ہے بلکہ فرعون کا تاج و تخت اور ابولہب کا مال و زر ہے۔ یہ حکیم وقت جب بے نوا مسلمانوں کو دیکھتا ہے تو آقائے فرنگ کی زبان سے وہی کہتا ہے جو عرب کے جاہلوں نے ۱۳۵۰ برس پیشتر کہا تھا کہ اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ؟

اسی طرح جاہلیت اولیٰ کی جن مردہ سنتوں کو مسلمانوں نے زندہ کر کے اپنے نظامِ مذہب میں داخل کر لیا ہے ان میں سے ایک سنت ظاہر پرستی اور آبا پرستی کی ہے جس سے قدرتاً فرقہ پرستی پیدا ہوئی۔ قدیم جاہلیت میں قرآن کی ہر سچائی اس لئے ناقابلِ قبول تھی کہ اہل عرب کے آباؤ اجداد سے وہ منقول نہ تھی۔ جو لایعنی رسوم باپ دادا کی وراثت میں ملی تھیں وہی اصل دین سمجھی جاتی تھیں۔ ہر ایک اپنی رسموں کو دانت سے پکڑے ہوئے تھا، انھیں کو سچائی اور ہدایت سمجھے بیٹھا تھا، اپنے کو سچا اور تمام دوسرے گروہوں کو گمراہ یقین کرتا تھا۔ وَكُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ میں ان کی اسی جہالت کی طرف اشارہ ہے۔ ان کے ہاں اصل چیز مظاہر تھے، معانی سے انھیں کوئی بحث نہ تھی۔ مظاہر کی کسی تبدیلی کو دین کی موت خیال کرتے۔ تحویل قبلہ کے وقت اس جاہلانہ ذہنیت نے جو ہنگامہ بپا کیا اس سے کون ناواقف ہے؟۔ آج کی جاہلیت میں وہی ٹریجڈی پھر دہرائی جا رہی ہے۔ اسلام کے پیرو اسی رسم پرستی اور فرقہ پروری پر جتھے بنا رہے ہیں۔ وحدت اسلامی اسی آبا پرستی پر قربان کی جا رہی ہے۔ اکابر کے اقوال و افعال معیارِ صداقت قرار پا رہے ہیں۔ دین کی رگ جاں پر چھری چل جائے

تو کچھ نہیں بگڑتا مگر مظاہر کی ادنیٰ سی تبدیلی میں اسلام کی ہلاکت اور ایمان کا زیاں تبلایا جا رہا ہے۔ ہر نئی یا غیر چیز جو کتاب آبا میں موجود نہیں، باطل اور ضلالت ٹھیرائی جارہی ہے۔ نیکی اور تقویٰ کو کوئی نہیں پوچھتا مگر ظواہر کی حفاظت میں ۔۔۔ خواہ وہ نماز میں ہاتھ اٹھانے اور نہ اٹھانے ہی تک کیوں نہ محدود ہو۔ خونِ مسلم تک کی حرمت پامال کردی جاتی ہے۔ کوئی ایک جماعت نہیں جو اس جہل میں مبتلا ہو۔ پوری امت اسی کُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ کی لعنت اوڑھے ہوئے ہے۔ اور کوئی نہیں جو خدا کے بندوں کا ماتھا جاہلیت کے آستانہ سے اٹھائے۔

مذہب کی وہ حقیقت بھی جو مَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنَ کے ذریعہ بتلائی گئی تھی اسی تنگ نظری اور جاہلی تصور مذہب سے دوچار ہے جس نے ابتدائے اسلام میں اس سے ٹکر لی تھی۔ اسلام نے جب مذہب کو رسوم کے شکنجے اور معبد کے گھیرے سے نکال کر سیاست، حکومت، معاشرت، معیشت، خانگی تعلقات، انفرادی اعمال اور اجتماعی افکار و معاملات تک پھیلا دیا تو انسان اس وسعت و ہمہ گیری کے خلاف بغاوت کر بیٹھا، کیونکہ اس طرح اباحت نفسانی کے تمام دروازے بند ہوئے جارہے تھے۔ بعینہٖ یہی نفسیاتی رکاوٹ آج ہم مسلمانوں کو درپیش ہے۔ اِس وقت جاہلیت نے زندگی کا جو میدان دنیا کے سامنے تیار کر رکھا ہے اس میں دوسروں سے بازی لے جانے میں اسلام کا یہی نظریۂ مذہب سخت رکاوٹ پیدا کر رہا ہے، لہٰذا مسلمانوں نے نہ صرف تجدد کے بالاخانوں پر بلکہ خانقاہ کے تاریک حجروں میں بھی مذہب کا مثلہ کرنا شروع کر دیا۔ عرصۂ حیات کے ایک ایک گوشہ سے مذہب کے دامن کو سمیٹا جا رہا ہے اور بوالعجبی دیکھیے کہ اسلام کی عالمگیری کے ادعا ہی سے اس کی عالمگیری کی نفی کی جارہی ہے۔ اس فریب یا خود فریبی کو چھپانے کے لئے کہیں "عالمگیر صداقت" کا خوشنما نقاب تیار کیا گیا ہے اور ارشاد ہوتا ہے کہ "اسلام چند عالمگیر سچائیوں کا نام ہے۔ اسے مٹنے کا کوئی خطرہ نہیں، وہ ہر قالب میں زندہ رہ سکتا ہے" اور کسی طرف سے یہ حکیمانہ آواز آتی ہے کہ مذہب کو دنیوی معاملات

کے ہر شعبے پر حاوی کرنا اس کے عالمگیر ہونے کا انکار کرنا ہے"۔ مغرب زدہ مسلمان ابھی صرف اتنا ہی کہنے پایا تھا کہ "سیاست اور معاشرت وغیرہ کو مذہب سے کیا تعلق"، کہ معارف پرور ائمۂ دین نے اعلان کر دیا کہ "نہ صرف یہی بلکہ ایمان بالرسالت بھی چنداں ضروری نہیں"۔ پھر اسی کوتہ نظری نے ہم ہی مسلمانوں سے یہ کہلا کر کہ اسلام کا کوئی مخصوص تہذیب و تمدن نہیں، حدیث کا انکار کرا دیا، تاکہ قرآن کے اصول کو جس طرح چاہیں توڑ مروڑ کر جاہلیت کے قالب میں ڈھال لیں، اور جب نوجوان مسلمان اشتراکیت کے فریب میں آ کر کارل مارکس کا کلمہ پڑھنے لگیں تو یہ کہنے میں باک نہ ہو کہ "خدا کا شکر ہے کہ مسلمانوں کا مستقبل روشن ہے کیونکہ مسلم نوجوان اشتراکیت کی طرف آ رہے ہیں"۔

یہ اور اسی قسم کی صدہا آوازیں اسلام کے نام سے بلند ہو رہی ہیں، اُسی اسلام کے نام سے جو ایک جزئی مسئلہ قصاص بیان کر کے کہتا ہے کہ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ ہاتھ کے بدلے ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ ماننا اسلام کی نگاہ میں فسق ہے مگر اسلام کے ہر عضو کی قطع و برید پر ایک نئی خوشی محسوس کرنا اہل اسلام کے نزدیک سب سے بڑی ملی خیر خواہی ہے!۔

اس غیر اسلامی تصور مذہب کے مہلک جراثیم نے ہماری خانقاہوں میں ایک ادنیٰ ہی مگر اسی نوعیت کا مرض پیدا کر رکھا ہے۔ وہاں سارا دین نماز روزے اور ذکر و مراقبہ تک محدود ہے۔ روحانیت کے ان آئینہ خانوں میں جدھر دیکھیے چند مخصوص عبادتوں کی تصویریں نظر آئیں گی۔ کسی سیاسی، معاشی، معاشرتی یا تمدنی معاملہ کا ذکر ہوا کہ للہیت کی پیشانی شکن آلود ہوئی۔ ان کے نزدیک یہ سب دنیا داری کی باتیں ہیں۔ دین داری یہ ہے کہ دنیا اور اس کے معاملات کو کفار و فاسقین کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جائے اور ایک دیندار مسلمان ایک گوشے میں بیٹھا ہوا بس تسبیح و تہلیل اور ذکر و شغل کرتا رہے۔ اس کے حجرے سے باہر ساری دنیا پر طاغوت کی حکومت قائم ہو جائے تو کچھ حرج نہیں۔ خدا کی شریعت کے بجائے شیطانی قوانین پر انسانی تمدن کی بنا رکھ دی جائے، حرام حلال ہو اور حلال حرام ہو کر رہ جائے، اخلاق کے معیار الٹ جائیں اور

عدل و تقویٰ ایک لفظ بے معنی بن جائے، ہمارے اس دین دار بزرگ کو اس سے کچھ بحث نہیں۔ وہ تو اللہ والا ہے۔ اُس کو اِن جھگڑوں سے کیا سروکار؟ اس کا کام تو اللہ کی عبادت کرنا ہے، اور اللہ کی عبادت یہ ہے کہ اوراد و وظائف اور نوافل اور مراقبہ اور حلقۂ ذکر میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا جائے ——— دین داری کے اس راہبانہ تصور نے اسلام کی روح کو مسخ کر کے رکھ دیا ہے۔ ذکر، عبادت، صبر، توکل، تقویٰ، عمل، مجاہدہ، غرض تمام اسلامی الفاظ کے معنی الٹ گئے ہیں۔ اب خالص بے عملی کا نام "عمل" ہے، اور عمل اب کرنے کی چیز نہیں بلکہ پڑھنے کی چیز بن کر رہ گیا ہے۔ ذکر کے معنی اب یہ ہیں کہ تسبیح چلے، ہونٹ ہلیں اور رات دن میں ہزاروں لاکھوں مرتبہ اللہ کا نام زبان پر جاری ہو۔ باقی رہا وہ ذکر جس کی طرف فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ[1] میں اشارہ کیا گیا ہے، تو اس کا تصور تک دماغوں سے نکل چکا ہے، اور اسے اب عین دنیا داری سمجھا جاتا ہے۔ عبادت کے معنی اب چند مخصوص اعمال کے ہیں، اور ان اعمال کی بھی روح کے نہیں بلکہ محض ظاہری شکل کے۔ اگر کوئی شخص صرف فرائض ادا کرتا ہو اور اس کے بعد اپنا سارا وقت کفر و جاہلیت کی طاقتوں کے خلاف جنگ کرنے اور اسلام کی سربلندی کے لئے کوشش کرنے میں صرف کر دے تو وہ عبادت گذار نہیں بلکہ دنیا دار ہے، کیونکہ وہ مسجد کے

[1] یہ آیت سورۂ جمعہ میں آئی ہے اور اس کا مفہوم یہ ہے کہ "جب نماز ختم ہو جائے تو زمین میں پھیل جاؤ اور اپنے کاروبار میں اللہ کا فضل (رزق حلال) تلاش کرو اور اللہ کو بکثرت یاد کرتے رہو۔" یہاں اللہ کو یاد کرنے کا مطلب خاص طور پر یہ ہے کہ دنیوی کاروبار کے ہنگامے میں اللہ کے حدود اور شریعتِ الٰہی کے احکام کا خیال رکھو۔ جہاں قدم قدم پر شیطانی وسوسے اور خواہشاتِ نفس کے خدشے سامنے آتے ہیں، جہاں جھوٹ، اور خیانت اور حرام خوری اور بدنظری کے بے شمار مواقع پیش آتے ہیں اور شیطان ان کے اندر فائدے کی صورتیں دکھاتا ہے، وہاں تمھیں یاد رہے کہ خدا تم کو دیکھ رہا ہے اور ایک دن تمھیں اس کی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ ہر مرتبہ جب حرام اپنی ظاہری منفعتوں اور لذتوں کے ساتھ اور حلال اپنے ظاہری نقصانات اور تکلیفوں کے ساتھ دوش بدوش تمھارے سامنے آئیں تو خدا کا خوف تمھیں حرام کو چھوڑنے اور حلال کو اختیار کرنے پر آمادہ کرے۔ یہی اصل یادِ الٰہی ہے، اور اس میں مجاہدہ، صبر، توکل، تقویٰ، سب شامل ہیں۔

بجائے دفتر میں بیٹھا ہوتا ہے، رکوع و سجود کے بجائے قلم و کاغذ کے کام میں مشغول نظر آتا ہے، اور عبادت کی اس صورت سے ہمارے دین دار لوگ قطعی ناآشنا ہیں۔ ان کے نزدیک عبادت صرف وہ شخص کرتا ہے جو فرائض کے ساتھ تہجد اور اشراق اور چاشت کی نمازیں بھی پڑھے، تسبیح کے دانوں کو بھی گردش دے اور الّا اللہ کی ضربیں بھی لگائے۔

تصورات کا انقلاب بڑھتے بڑھتے یہاں تک پہنچ گیا ہے کہ جو سیدھا سادہ مسلمان فرائض ادا کرنے کے بعد رزق حلال کمانے اور اپنے حق داروں کے حقوق ادا کرنے میں لگا رہتا ہے وہ تو دنیا کا کتا ہے، اور جو بزرگ اللہ والے بن کر خانقاہ میں شب و روز مشغول عبادت رہتے ہیں اور لگی بندھی فیس لے کر لوگوں کیلئے دعائیں کرتے ہیں، یا تعویذ گنڈوں کی قیمت وصول کرتے ہیں، یا وعظ کہنے کے لئے آمد و رفت کا کرایہ اور نذرانہ طلب فرماتے ہیں وہ کمال درجہ کے دین دار ہیں!۔

خانقاہوں سے گذر کر مدرسوں کی طرف آئیے تو یہاں جاہلیت کی کارفرمائی ایک دوسرے ہی رنگ میں نظر آتی ہے۔ یہاں ظاہر پرستی اپنی انتہا کو پہنچ گئی ہے۔ اسلام ان کے نزدیک ایک محسوس اور مرئی چیز ہے جس کو ناپا اور تولا جا سکتا ہے۔ انھوں نے مسلمان کا ایک پیمانہ بنا رکھا ہے۔ جہاں کوئی شخص سامنے آیا اور انھوں نے فوراً اپنا پیمانہ اس پر رکھ کر ناپ لیا۔ اگر وہ پیمائش میں پورا اترا تو اسے تشرع اور دین داری کا سرٹیفکیٹ دے دیا گیا۔ پھر چاہے وہ اپنے اعمال اور اخلاق میں خفیہ اور علانیہ قانونِ الٰہی کی کتنی ہی خلاف ورزیاں کرتا رہے، مگر "دینداری" بہر حال اس کے ساتھ چپکی رہے گی۔ اس کا شمار متشرع لوگوں ہی میں ہوگا، اور وہ اپنی ظاہری ہیئت سے عام مسلمانوں کو اور شائد خود اپنے نفس کو بھی عمر بھر دھوکا دیتا رہے گا۔ برعکس اس کے اگر کوئی شخص اس مقررہ پیمانہ سے ایک انچ کا سولھواں حصہ بھی کم نکلے تو بلا تامل اس کو فاسق، فاجر، بد دین قرار دے دیا جائے گا۔ پھر اس کی نماز، اس کا روزہ، اس کی پرہیزگاری، اس کی اخلاقی طہارت، سب ان کے نزدیک بے معنی ہیں، حتیٰ کہ اگر وہ فاسق کسی اجر و معاوضہ کے بغیر اللہ کے دین کی خدمت کرے، اور راہِ خدا میں اپنے نفس اور مال کی قربانی

دے تب بھی مذہب کے یہ اجارہ دار اس کی تمام خدمات پر پانی پھیر دیں گے محض اس لئے کہ چند جزئیات میں اس کا عمل ناقص ہے، اور ان کے مذہب میں اصل دین بس یہی جزئیات ہیں ــــ اگر ابو محجن ثقفی ان حضرات کے دور میں ہوتے تو یقیناً یہ شراب خوری کے جرم میں ان کی پیٹھ کے ٹکڑے ہی اڑا دیتے، اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص کو، جنھوں نے میدانِ جہاد میں ابو محجن کی جانفشانی دیکھ کر حد شرعی معاف کر دی تھی، نہ معلوم کیسے تند و تیز الفاظ میں مطعون کرتے!۔

اصل یہ ہے کہ انھوں نے حقائق اور معانی کو بالکل فراموش کر دیا ہے اور صرف اعمال کی ظاہری صورتوں ہی کو یہ دین سمجھتے ہیں۔ اس غلط تصور کا نتیجہ یہ ہے کہ احبار یہود نے جس طرح ظاہر پرستی میں شریعتِ الٰہی کی روح اور اس کے مقاصد کو گم کر دیا تھا، اسی طرح یہ حضرات بھی اس کو گم کر بیٹھے ہیں۔ ظاہری شکلوں کے الٹ پھیر سے حرام کو حلال اور ناجائز کو جائز کر دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، اور یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے نزدیک بھی ان تغیرات سے حقیقت بدل جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ان کے عقیدہ میں زکوٰۃ کے لئے تملیک شرط ہے اور مدرسے کے فنڈ میں زکوٰۃ داخل نہیں ہو سکتی۔ لیکن اگر کوئی شخص ان کے پاس زکوٰۃ لائے تو یہ اس کو چھوڑیں گے نہیں بلکہ ایک غریب طالب علم کو بلائیں گے اور اس سے کہیں گے کہ تو ایک ہاتھ سے زکوٰۃ لے لے اور دوسرے ہاتھ سے مدرسے کو ہبہ کر دے۔ اس طرح جو چیز ناجائز ہے وہ محض ہاتھ بدلنے سے جائز ہو جاتی ہے۔ ان کے نزدیک یہ بھی بالکل جائز ہے کہ ایک شخص کو روپیہ دے کر اس بات پر تیار کیا جائے کہ وہ مطلقہ عورت سے نکاح کر کے اسے طلاق دیدے اور اس تدبیر سے وہ شوہر اول کے لئے حلال ہو جائے۔

جو لوگ اپنی بیویوں کو طلاق دے کر پشیمان ہوتے ہیں اور انہیں دوبارہ اپنے نکاح میں لانا چاہتے ہیں انہیں حلالہ کرنے کی یہ تدبیر علانیہ ہمارے دارالافتاؤں میں سکھائی جاتی ہے اور کوئی نہیں سوچتا کہ اس سے قرآن کا اصل مقصد ہی فوت ہوا جاتا ہے۔ وہاں تو تحلیل کی شرط لگائی ہی اس لئے گئی تھی کہ اس کڑی شرط کی وجہ سے لوگ طلاق دیتے ہوئے ڈریں مگر اس حیلہ نے مالدار اور باثر لوگوں کے لئے اس چیز کو

آسان بنا دیا جسے اللہ مشکل بنانا چاہتا تھا۔ ختم سال سے پہلے روپے کو بیوی کے نام ہبہ کرنا اور پھر ختم سال سے پہلے اپنے نام ہبہ کرالینا اور اس طرح فریضۂ زکوٰۃ سے بچ جانا، یہ بھی ایک معروف حیلہ ہے جس کو اچھے خاصے متشرع حضرات خود استعمال فرماتے ہیں اور دوسروں کو سکھاتے ہیں۔ ان حرکات پر دراصل حضرت ایوب کے تحنث کی نہیں بلکہ اصحاب السبت کی مثال راست آتی ہے جن کی دینداری کو آزمانے کے لئے اللہ نے ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنا حرام کیا تھا تو انھوں نے یہ تدبیر نکالی کہ جمعہ کے روز جال پھینک کر چھوڑ دیتے، اور اتوار کے روز جا کر مچھلیاں پکڑ لیتے، تاکہ ان کی خواہشِ نفس بھی پوری ہو جائے، اور فرمانبرداری کی ظاہری شکل بھی بنی رہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان تدبیروں سے اللہ تعالیٰ بھی دھوکا کھا جائے گا، مگر اللہ نے اس بدترین فسق کو طاعت اور تقویٰ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خَاسِئِيْنَ ۔

جاہلیت ہی کا ایک کرشمہ یہ بھی ہے کہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کو چھوڑ کر اپنے رجحانِ نفس اور میلانِ طبع کو دین و شرع کا پیمانہ بنا لیا گیا ہے۔ مآخذ علم میں شارع نے یہ ترتیب رکھی تھی کہ پہلے کتاب اللہ پھر سنت رسول اللہ، پھر راسخین فی العلم کے اجتہادات۔ لیکن یہاں اس ترتیب کو الٹ کر یوں کر دیا گیا کہ پہلے اُن ائمہ کے اجتہادات جن سے ہم کو عقیدت ہے۔ پھر سنت رسول اللہ جس کا علم صرف اس لئے حاصل کیا جاتا ہے کہ اپنے پسندیدہ مذہب کی تائید میں دلائل فراہم ہوں۔ سب سے آخر میں کتاب اللہ جس کو پڑھنے کا مقصد علم دین کی تحقیق نہیں بلکہ محض حصولِ ثواب ہے یا پھر کلام الٰہی کی بلاغت اور اس کے محاسنِ لفظی سے لطف اندوز ہونا۔ اسی طرح عقائد میں شارع نے یہ ترتیب رکھی تھی کہ سب سے اول ایمانیات، پھر وہ اعتقادی جزئیات جن میں تعبیر و تاویل کے اختلاف کو خود صاحبِ شریعت علیہ السلام اور صحابہ اور ائمہ نے جائز رکھا ہے۔ مگر اس ترتیب کو الٹ کر ہر گروہ نے اپنے اہواء کے مطابق یوں کر دیا کہ سب سے پہلے وہ جزئی عقیدہ جس سے ایک فرقہ کو خاص دلچسپی ہے۔ پھر ایمانیات جن پر اعتقاد رکھنے کے باوجود ایک شخص صرف

اس لئے کافر، ملحد، زندیق، فاسق اور گمراہ ہوسکتا ہے کہ وہ اس خاص جزئی عقیدہ میں ان سے متفق نہیں۔ اسی طرح اوامر میں شارع نے یہ ترتیب رکھی تھی کہ سب سے اول فرائض، پھر سننِ مؤکدہ پھر مستحبات و مستحسنات علیٰ اختلاف مدارجہا۔ اس ترتیب کو بھی ہر گروہ نے اپنی دلچسپیوں کے لحاظ سے الٹ کر رکھ دیا۔ اب وہ اوامر جو استحسان و استحباب کے درجہ میں ہیں، سب سے بڑھ کر اہمیت رکھتے ہیں، ان کے بعد مؤکدات کا درجہ آتا ہے، اور آخر میں فرائض ہیں۔ یہی صورتِ معاملہ منہیات کے باب میں بھی پیش آئی ہے۔ شارع نے سب سے بڑھ کر محرّمات اور کبائر کی ممانعت پر زور دیا ہے۔ اس کے بعد صغائر کا مرتبہ آتا ہے اور آخر میں وہ منکرات و مکروہات ہیں جن کی ممانعت بتصریح نہیں کی گئی ہے بلکہ تخریج و استنباط کے طور پر اشارۃ النص یا دلالۃ النص سے نکالی گئی ہے۔ مگر ہر جماعت نے اپنے رجحانِ طبع کے زیرِ اثر اس ترتیب کو بھی الٹ دیا۔ اب تیسرے درجہ کے مکروہات پر سب سے زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس کے بعد صغائر کا مرتبہ آتا ہے اور آخر میں محرّمات اور کبائر ہیں جن کا ذکر زبانوں پر کم ہی آتا ہے ــــــ یہ سب سے بڑی اور سب سے بدتر بدعت ہے جس کو ام البدعات کہنا چاہیے۔ اور یہ تمام بدعات سے بڑھ کر خطرناک ہے، کیونکہ اس کو علمِ دین اور تشرّع اور للّٰہیت کا لباس پہنا دیا گیا ہے، حالانکہ اس کی بنا دراصل اس نہایت گہری ہوا پرستی پر قائم ہے جو نفس کے چور خانوں میں چھپی ہوئی ہے اس فتنۂ عظیم کی شاخیں بے شمار، اور اس کے نتائج بے حد و حساب ہیں۔ علمِ دین میں جمود، قابلیتِ اجتہاد کا فقدان، فرقہ بندی میں غلو، تکفیر و تفسیق کی گرم بازاری، مہمات سے بے پروائی اور لاطائل فضولیات میں انہماک، کرنے کے کاموں کو چھوڑ دینا اور لایعنی باتوں میں اپنی ساری قوتوں کو ضائع کر دینا، یہ سب اسی ایک فتنہ کے نتائج ہیں۔ حاملانِ دینِ متین مطمئن ہیں کہ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ اور شیطان بغلیں بجا رہا ہے کہ جو قوم قرآن جیسی خطرناک کتاب رکھتی تھی جس سے خوف تھا کہ جاہلیت کا تختہ الٹ کر رکھ دے گی، اس کو وہ اس دقتِ فضول میں لگا دینے میں کامیاب ہو گیا۔

ایک طرف سے جاہلیت اولیٰ مسلمانوں کی ذہنیتوں پر یوں بار بار حملے کرکے انہیں اسلامی تصورات سے بیگانہ بنا گئی، اور دوسری طرف سے جاہلیتِ فرنگ نے اپنے جدید ہتھیاروں سے قرآنی تہذیب کی رہی سہی یادگاروں پر بھی یلغار کردی۔ قدیم جاہلیت کی فتحمندیوں نے اندر سے دین کے نظام کو مسخ کیا اور جدید جاہلیت نے اجتماعی خیالات اور سیاسی، معاشرتی، اور معاشی نظریات کو الٹ کر رکھ دیا، حتیٰ کہ آج ہم بحسرت دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کی اس پھیلی ہوئی زمین پر ایک گوشہ بھی ایسا موجود نہیں جہاں اسلامی نظام زندگی اپنی کامل صورت اور بے آمیز ہیئت اجتماعی کے ساتھ نافذ ہو۔ اگر کہیں اس نظام کا کوئی دھندلا سا خاکہ ہے بھی تو تہذیب حاضر کے موجودہ سیلاب کے سامنے اس کی حیثیت بالکل وہی ہے جو کسی پرشور سمندر کی طوفانی لہروں میں ایک کشتی کے ٹوٹے ہوئے تختوں کی ہوتی ہے اور یہ نتیجہ ہے اپنی اس وقت کی خود فراموشی کا جب ہم نے یورپ کو ایک ہاتھ سے قلم اور دوسرے سے تلوار بخشتے ہوئے کہا تھا کہ تُو

تیغ ہے یہ طشت ہے یہ ہم ہیں کشتنی

لہٰذا اب سعادت تو اسی میں ہے کہ مادی تہذیب کا نشتر جب اسلامی نظام کی ایک رگ کاٹ لے تو دوسری اس کے سامنے کردی جائے، اور الحمد للہ کہ ہم اس فریضۂ سعادت کو بڑی تندہی اور خوش اسلوبی سے سرانجام دے رہے ہیں۔ مغرب سے آواز آئی کہ ۱۳۵۰ برس کا پرانا مذہب خواہ کیسا ہی کامل اور وسیع کیوں نہ ہو، موجودہ دور تمدن میں کام نہیں دے سکتا۔ ہم نے کہا اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا۔ ایک مادہ پرستانہ نظام غریب پروری کا جامہ پہن کر روس سے چلا تو ہم نے یہ کہتے ہوئے بڑھ کر اس کا خیر مقدم کیا کہ اسلامی مواساۃ تو اسی اشتراکیت کا نام ہے۔ مغرب نے اپنا معاشی نظام بینکنگ اور انشورنس پر قائم کیا تو ہمارا مفتی بول اٹھا کہ ہندوستان دار الحرب ہے، یہاں سود لینا (جس کی شان میں فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ کی تہدید نازل ہوئی تھی) جائز ہے، مستحسن ہے، بلکہ سراپا رحمت ہے، وَمَنْ يُّقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا الآیۃ کا شانِ نزول یہی سودی کاروبار ہی تو ہے۔

تمدن اور معاشرت نے نئے نئے فیشن ایجاد کیے تو ہمارے "تعلیم یافتہ" حضرات نے اسلامی وضع قطع پر قدامت پرستی کے فتوے لگائے اور اسے دیکھ کر وَاِذَا مَرُّوْا بِهِمْ يَتَغَامَزُوْنَ کی یاد تازہ کی۔ اباحتِ نفس کے اشارے پر مغرب نے پردہ کو خلافِ انسانیت ٹھیرایا تو ہم نے بھی سُر میں سُر ملا کر کہا کہ یہ پردہ تو نسوانیت کی تحقیر بلکہ اسلامی نظریۂ مساوات کی صریح خلاف ورزی ہے۔ وطنیت اور قومیت کے نظریے پیدا ہوئے تو ہم نے حب الوطن من الایمان سے اس کی تصدیق شروع کر دی۔ مصر میں اسی تخیل نے ہم سے فراعنہ پرستی کرائی، اسی کے عشق میں ایران وٹرکی نے اسلامی نظریۂ قومیت کے ایک ایک نشان کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر مٹایا اور وہاں کی دو ہزار برس پہلے کی مٹی ہوئی تہذیب کو زندہ کرنے میں اپنی سربلندی دیکھی۔ اسلامی قوانینِ حکومت کو چھوڑ کر مغرب کے بنائے ہوئے آئین وقانون اختیار کئے۔ حتیٰ کہ ترکی نے مغربی تصور کے اتباع میں اتنا بھی گوارا نہ کیا کہ وہاں کی حکومت نام کو بھی اسلامی خلافت رہ جائے۔ اور جب اتنے پر بھی صبر نہ ہو سکا تو اسلامی تصور کا رہا سہا داغ بھی اس نے اپنے دامن سے مٹا دیا، اور اس دفعہ کو، جس کے ذریعہ حکومت کا مذہب اسلام قرار پایا تھا، اڑا کر یہ دفعہ مرتب کی گئی کہ آئندہ سے ترکی حکومت اسلامی حکومت کے بجائے قومی اور جمہوری حکومت کہلائے گی۔

اسلامی تصورات سے یہ بُعد اور تنفر کچھ ایک سلطنت یا ملک تک محدود نہیں ہے۔ ممالک اسلامیہ میں سے جو بھی ترقی کا ولولہ لے کر اٹھتا ہے کعبۂ فرنگ کی طرف منہ کر لیتا ہے، خواہ غلام ہو یا نام کا آزاد۔ آج قریب قریب تمام مسلمانوں نے اپنے دل و دماغ مغرب کے حوالہ کر دیے ہیں۔ مغربی نقطۂ نظر ہمارے نظامِ زندگی کے ایک ایک جزو میں سرایت کر گیا ہے۔ ہماری اجتماعی ذہنیت پر جاہلیتِ جدیدہ کا ایسا گہرا زنگ چڑھ گیا ہے کہ اسلامی نظریات کا کوئی نقش اس پر اترتا ہی نہیں۔ صبغۃ اللہ جس امت کا قومی نشان تھا وہ یورپین اصطباغ لینے کے لئے والہانہ دوڑی چلی جارہی ہے۔ اس کے نزدیک اب صداقت کا معیار اور نجات و سربلندی کا ذریعہ مغربی قول و فعل ہے۔ گویا جس طرح قرآن

مہیمن تھا پچھلی کتابوں کی ناقص اور محرف تعلیمات کا، اب سمائے مغرب سے نازل ہونے والی وحی مہیمن ہے، (العیاذ باللہ) قرآنی نظریات و تصورات کی۔ جاہلیت کی جو سب سے بڑی تمنا ہوسکتی ہے وہ یہی ہے جسے پورا کرنے کے لئے ہم جی رہے ہیں۔ امت مرحومہ کے اخلاف و اسلاف میں اگر کوئی نسبت ہے تو یہی کہ ایک "طوبیٰ للغرباء" کی پیشین گوئی کا مظہر ہے، دوسرا "فسیعود غریبًا" کی پیشین گوئی کا۔

لیکن ہاں مایوسی اور نامرادی کی اس ہمہ گیر تاریکی میں ابھی امید کی ایک کرن باقی ہے۔ باطل کی فطرت ثبات نا آشنا ہے۔ وہ پھیلنا جانتا ہے مگر ثابت قدم رہنا نہیں جانتا۔ متمدن انسان جاہلیت کے سیلاب میں بہ تو گیا مگر اس کے تھپیڑے کھا کھا کر موجودہ نظام تہذیب سے وہ پریشان بھی ہو رہا ہے۔ جہل پرستی کے تلخ نتائج ایک ایک کر کے اس کے سامنے آرہے ہیں اور وہ امن و سلامتی کی جستجو میں سرگرداں ہے۔ مگر چونکہ اس کے سامنے عملی دنیا میں کہیں یہ شے اپنی اصلی صورت اور بے نقاب ہیئت میں موجود نہیں اس لئے جب کوشش کر کے جاہلیت کے ایک پھندے سے وہ اپنی گردن چھڑاتا ہے تو دوسرا پھندا اسے اپنے حلقہ میں لے لیتا ہے۔ امپیریلزم اور سرمایہ داری کی ظالمانہ سخت گیریوں سے گھبرایا تو اشتراکیت کی لعنت میں جا پھنسا۔ جمہوریت سے تنگ آیا تو ڈکٹیٹر شپ کی خندق میں جا گرا۔ نکاح و طلاق وغیرہ معاشرتی قوانین میں (جن کے بارے میں کل تک وہ اسلام پر خندہ زن تھا) اپنی غیر فطری اور خیالی بندشوں کو توڑ کر اباحتِ مطلقہ (Licentiousness) نسوانیت (Feminism) اور برتھ کنٹرول کے مہالک میں گرفتار ہوگیا۔ غرضیکہ ایک عام بیقراری اور اضطراب کے دور سے دنیا گذر رہی ہے۔ جاہلیت کے دباؤ سے اس کی روح بے تاب ہو رہی ہے۔ گویا زمین تیار ہو چکی ہے، بیج ڈالنے کی ضرورت ہے۔ سرابِ جاہلیت میں بھٹکتی ہوئی دنیا پیاس سے بے قرار ہے، کاش سینۂ عرب سے ابلے ہوئے سرچشمۂ حیواں کو خس و خاشاک سے پاک کر کے اس کے سامنے کر دیا جائے۔ یعنی وہ اسلام جس سے ساری دنیا بیگانہ ہے اور جو ساری دنیا سے اجنبی جاہلی افکار و تصورات کے غبار میں چھپا پڑا ہے، پھر اسے

ازسرنو دنیا سے مانوس اور اس کے الٰہی نظام کی برکتوں کو نمایاں کرکے دنیا سے روشناس کرایا جائے۔ آج ضرورت ہے اسلام کو ایسے ہی مردان کار اور اصحاب عزیمت کی جو مشرق و مغرب کی ذہنیتوں کے خلاف صف بستہ ہو سکتے ہوں اور تلاش ہے اسلام کو ایسے ہی "غرباء" کی جو ہوا پرستی اور جاہلیت کے اس طوفان میں قدم جما کر کھڑے ہو جائیں۔ اسلامی نظریات و تصورات کو اپنی زندگی کا رہنما بنائیں۔ قرآن کی روح میں جذب ہو جائیں اور اسلامی نظام حیات کو اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر نافذ کرکے اسلام کے چہرہ سے غرابت کا پردہ اٹھا دیں۔ یہی تجدید ملت ہے۔ یہی احیاء دین ہے۔ یہی اعلاء کلمۃ اللہ ہے۔ یہی نصرتِ اسلام اور یہی وراثت رسول ہے۔ قدرت "طوبیٰ للغرباء" کی بشارت دینے کے لئے منتظر کھڑی پکار رہی ہے۔ اگر مسلمانوں کو اپنی کھوئی ہوئی عظمت کی جستجو ہے تو انہیں اس پکار کا جواب دینا پڑے گا۔

ضروری اطلاع

سررشتہ تعلیمات حیدرآباد دکن کی جانب سے ۱۸ مدارس اور دفاتر کے نام جو پرچے سالِ گذشتہ جاری کرائے گئے تھے ان کی مدت اِس ماہ رمضان میں ختم ہو رہی ہے۔ اب محکمۂ تعلیمات نے ہم کو اطلاع دی ہے کہ مذہبی و سیاسی پرچوں کی خریداری اس کی پالیسی کے خلاف ہے۔ لہذا آئندہ شوال سے یہ پرچہ ان مدارس و دفاتر میں حاضر نہ ہوگا۔ جو مدارس اسے خریدنا چاہیں وہ خود اپنے بجٹ سے خرید سکتے ہیں۔

منیجر